# عظیم الشان صدیقی افسانوی ادب کا زریں عنوان

**ڈاکٹر عمیر منظر**

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، لکھنؤ کیمپس (یوپی)

اردو کے افسانوی ادب کو جن لوگوں نے اپنی تحریروں سے مالا مال کیا ہے ان میں پروفیسر عظیم الشان صدیقی (۱۹۳۵ء۔۲۰۱۸ء) کا نام خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں جس طرح فکشن کے ابتدائی نقوش کو روشن کیا ہے اسی طرح معاصر افسانہ نگاروں کے بعض افسانوں کا تجزیہ کر کے یہ واضح کر دیا کہ وہ افسانے کی نئی دنیا سے بے خبر نہیں ہیں۔ اردو ناول (اردو ناول آغاز و ارتقا (۱۸۵۷ء۔ ۱۹۱۴ء) پر ان کا کام افسانوی ادب پر تحقیق وتنقید کے شاہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ نصابی ضرورتوں کی تکمیل تو اس کی اضافی خوبی ہے۔

اپنی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت کے بارے میں پروفیسر عظیم الشان صدیقی نے ''ایوان اردو'' جنوری ۲۰۱۱ء کے شمارہ میں ڈاکٹر راشد عزیز سے ایک انٹرویو کے دوران بتایا تھا:

> پیدا میں امروہہ میں ہوا اور میری ابتدائی تعلیم و تربیت بھی امروہہ میں ہوئی۔ یہ سلسلہ میرے چھوٹے دادا کی نگرانی میں بھی رہا جو وہاں عربی فارسی مدارس میں استاد تھے۔ میرا بائی اسکول تک تعلیمی سفر امروہہ میں طے ہوا۔ وہاں آمدنی کا بنیادی ذریعہ زمین ہے، زراعت ہے۔ آزادی کے بعد خاتمہ زمینداری کے بعد یہ محسوس ہوا کہ آمدنی کے ذرائع محدود ہو رہے ہیں۔ لہٰذا مجھے بھی اپنے گھر کی ذمہ داریوں میں شریک ہونا چاہئے۔ مجبوراً مجھے امروہہ چھوڑ کر دہلی آنا پڑا۔ اس طرح میں ۱۷ برس کی عمر میں سنہ باون میں دہلی آیا اور یہاں مختلف دفاتر میں نوکری کی۔ کئی برس گزر جانے پر مجھے احساس ہوا کہ اس طرح وقت تو گزر سکتا ہے، لیکن عمر نہیں گزر سکتی۔ چنانچہ سنہ ۵۶ء سے ہم نے پھر پڑھنا شروع کیا۔ اتفاق سے نذیر احمد جہاں فرحت اللہ بیگ کو پڑھایا کرتے تھے وہاں رہنے کا موقع ملا تو ایک تحریک وہاں سے بھی ملی۔ الٰہ آباد بورڈ سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی کے کیمپ کالج کے شعبۂ شبینہ سے بی اے مکمل کیا۔ اس طرح ملازمت کے ساتھ ساتھ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ شبینہ میں ایم اے میں داخلہ لے لیا۔ یہ اتفاق بھی یوں ہوا کہ میرے ایک دوست اُدیش کمار پوری اپنے داخلے کے لیے گئے تھے اور میرے لیے بھی فارم لے آئے اور پہلی فیس بھی انھوں نے بھری جو میں نے بعد میں ادا کی۔ اس طرح سن باسٹھ میں ایم اے کرنے کے بعد سنہ ۶۸ء تک پی ایچ ڈی کر سکا۔ یہ کام میں نے ڈاکٹر محمد حسن صاحب کی نگرانی میں ''اردو ناول: آغاز وارتقا ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک'' کے عنوان سے کیا۔ کچھ دن میں نے دہلی یونیورسٹی میں پڑھایا اور پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ۱۹۶۹ء میں میرا تقرر ہو گیا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا شعبۂ اردو اپنے جن باکمال اساتذہ پر فخر کر سکتا ہے ان میں پروفیسر عظیم الشان صدیقی کا نام نامی بھی شامل ہے۔ وہ ایک اچھے استاد اور بہترین انسان تھے۔ موسم کی پروا کیے بغیر وہ نہایت پابندی کے ساتھ کلاس لیتے تھے۔ افسانوی ادب پروفیسر عظیم الشان صدیقی پڑھاتے تھے۔ وہ بہت پابندی کے ساتھ کلاس لیتے تھے اور لیکچر کا اہتمام کرتے۔ کلاس میں کبھی اِدھر اُدھر کی گفتگو نہ کرتے تھے اور نہ کبھی اس کا موقع ہی دیا۔ کلاس روم میں آتے ہی لیکچر شروع کر دیتے تھے اور پھر پینتالیس منٹ تک کسی توقف کے بغیر ان کا لیکچر جاری

رہتا۔ مجھے شاعری سے دلچسپی تھی اسی لیے ابتدا میں فکشن کی کلاسیں بہت خشک محسوس ہوئیں، مگر کچھ دنوں کے بعد ایک عجیب کشش کا احساس ہوا۔ایک خاص ٹھہراؤ کے ساتھ ان کی گفتگو / لیکچر کا بہاؤ جاری رہتا۔ان کے یہاں علمیت کا کوئی رعب نہیں تھا بلکہ ایک انکساری کی کیفیت تھی اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ برسوں کے مطالعہ کا نچوڑ وہ اپنے طلبہ تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ایک سال کے دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ انھیں کسی طالب کو کسی طرح کی تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ دراصل طلبہ کے ساتھ ان کا رویہ بہت زیادہ محبت اور شفقت آمیز تھا۔ اسی وجہ سے طلبہ ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔

بعد میں دیگر اساتذہ سے ان کی اصول پسندی، خیر خواہی اور اپنے ادبی نظریے کے تئیں ایمان داری اور بے باکی کا علم ہوا۔اس بات کا اعتراف ان کے رفقا نے بھی کیا ہے کہ وہ نہایت وضع دار اور مرنجامرنج قسم کے انسان تھے۔ان کے احباب کے نزدیک عظیم الشان کی ایک اہم صفت ان کی بے نیازی تھی۔ بے نیازی کا اندازہ اس سے بھی کر سکتے ہیں کہ افسانوی ادب پر انھوں نے بہت اہم اور بنیادی کام کیا۔ باغ و بہار اور فسانہ آزاد پر ان کی تحقیق بہت بنیادی نوعیت کی ہے اور ان کے مطالعے سے ایک اچھے محقق کے بعض بنیادی اوصاف کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے، مگر اس کے باوجود فکشن کے ناقدین اور محققین میں عظیم الشان کی خدمات کا تذکرہ اس طرح نہیں کیا جاتا جیسا کہ ان کا حق ہے۔

اردو کے افسانوی ادب میں عظیم الشان صاحب کی خدمات بہت اہم ہیں۔اردو ناول کے ابتدائی نقوش کو جن لوگوں نے اپنی تحریروں سے روشن کیا ہے ان میں عظیم الشان کا بھی نام شامل ہے۔ان کے مضامین اور کتابوں کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ افسانوی ادب ان کے غور و فکر کا مستقل موضوع رہا ہے۔ان کی چند کتابوں کے نام اس طرح ہیں۔

۱۔ افسانوی ادب تحقیق و تجزیہ (۱۹۸۳ء)
۲۔ مضامین سیدین (۱۹۸۸ء)
۳۔ اظہار خیال (۱۹۹۰ء)
۴۔ آہنگ نو
۵۔ مشاہیر کی آپ بیتیاں (۲۰۰۰ء)
۶۔ افسانہ نگار پریم چند: تنقیدی و سماجی محاکمہ (۲۰۰۶ء)
۷۔ اردو ناول آغاز و ارتقا۔۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء (۲۰۰۸ء)
۸۔ اردو افسانہ فکری و فنی مباحث (۲۰۱۰ء)

عظیم الشان صدیقی ادب اور معاشرہ کو الگ نہیں تصور کرتے تھے بلکہ ان کے نزدیک وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم تھے۔اردو افسانہ فکری و فنی مباحث کے پیش لفظ میں انھوں نے لکھا ہے: ''ادب اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے یہ کبھی محسوس طریقہ پر اور کبھی غیر محسوس طریقہ پر ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں۔'' اپنے پہلے مجموعہ مضامین 'افسانوی ادب' کے پیش لفظ میں بھی انھوں نے اس بات کی وضاحت کی ہے:

> میرے لیے ادب کبھی وقت گزارنے کا ذریعہ نہیں رہا۔ مجھے اس میں ازلی و ابدی انسان کے دل کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں اور اس کی ذہنی کاوشوں کے نقش و نگار نظر آتے ہیں۔ ادب کے ذریعہ حاصل ہونے والی مسرت اور بصیرت کے لیے کوئی پیمانہ قدر تو مقرر نہیں کیا جاسکتا البتہ زندگی کے تناظر میں اسے پرکھا ضرور جاسکتا ہے۔ یہ مضامین اسی کوشش کا نتیجہ ہیں۔(افسانوی ادب، عظیم الشان صدیقی)

عظیم الشان صدیقی بنیادی طور پر ترقی پسند ادیب تھے اور انھوں نے ادب کو اسی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی لیکن زندگی کے رنگ کو انھوں نے ادب پر حاوی نہیں ہونے دیا البتہ ادب میں زندگی کی تلاش و جستجو ان کا ایک اہم ادبی مشغلہ ضرور رہا۔ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نظریہ کبھی ان کے لیے مجبوری نہیں بن سکا۔ادبی شعور کی غیر معمولی کارفرمائی ان کی تحریروں کا بنیادی عنصر ہے۔فسانہ آزاد کے تفصیلی و تحقیقی مطالعہ میں ان کی اسی ادبی روش کا اندازہ ہوتا ہے۔بعض بہت بنیادی اور اہم جزئیات سے جہاں قارئین کو وہ آگاہ کرتے ہیں وہیں۔انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> فسانہ آزاد اردو کا پہلا معاشرتی ناول ہے جس میں پہلی مرتبہ معروض کے بجائے موضوع اور افراد کے بجائے تہذیب و معاشرت کو ناول کا موضوع و مقصد بنایا گیا ہے اور ایک وسیع کینوس پر زندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔(اردو ناول آغاز و ارتقا، ۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء۔ص:۲۴۴، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی ۲۰۰۸ء)

عظیم الشان صدیقی نے یہ بھی لکھا ہے کہ سرشار نے معاشرتی ناول کے ذریعہ ناول کی تاریخ میں جو روایت قائم کی ہے ممکن ہے وہ فنی اعتبار سے نامکمل ہو مگر سرشار کے ناول نذیر احمد کے مقابلے میں زندگی اور فن سے کہیں زیادہ قریب ہیں۔ یہاں وہ اپنی اُسی بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ نذیر احمد کے ناول افراد کے اخلاق تک محدود ہیں جبکہ سرشار کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ تہذیب و معاشرت کو اپنے ناولوں کا موضوع بناتے ہیں۔ اس تناظر میں انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سرشار کے ناولوں کا دائرۂ عمل نذیر احمد کے ناولوں سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔

قرۃ العین حیدر کی تخلیقات پر عظیم الشان صدیقی کے تنقیدی جائزوں کا بہت چرچا رہا۔ خود قرۃ العین حیدر نے ان میں سے بعض کا جواب بھی دیا، لیکن مجموعی طور پر عظیم الشان صدیقی کے تجزیے کو ادبی تناظر میں اہم قرار دیا گیا اور ان کے مطالعہ کو فکشن سے ان کے غیر معمولی ربط و تعلق کا اظہار بھی قرار دیا گیا۔ انھوں نے لکھا ہے:

> قرۃ العین حیدر کے مجموعے ''پت جھڑ کی آواز'' کا مطالعہ کیا جائے تو اس کی بعض تحریریں جزویا کل کی سطح پر افسانے کے فن اور معیار کی پابند نظر نہیں آتیں۔ (اردو افسانہ فکری و فنی جہات، عظیم الشان صدیقی، ص: ۱۸۴، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۱۰ء)

اس اجمال کی تفصیل بعد کے چوبیس پچیس صفحات میں فکری و فنی دونوں پہلوؤں سے کتاب کا احاطہ کیا ہے اور ایک افسانے کے ایک باخبر قاری کی طرح ایک ایک چیز کو دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ قرۃ العین حیدر جو جیتے جی ایک **لیجنڈ** کی حیثیت اختیار کر چکی تھیں اور عام طور پر ان کے ناقدین تجزیہ و تنقید کے بجائے مدح و ستائش ہی کرتے تھے۔ عظیم الشان صدیقی نے قرۃ العین حیدر کے فن کی کمزوری ان کی عجلت پسند طبیعت کردار کو کسی ایک مقام پر زیادہ دیر ٹھہرنے نہیں دیتی اور وہ کرداروں کو تخلیق کر کے تراش خراش کی زحمت نہیں اٹھاتیں۔

یہ باتیں لکھنا بہت آسان نہیں تھا مگر اس کے پس پشت جو ادبی سچائی اور فن کی جو گہری پرکھ تھی اس نے بہرحال اس مجموعے پر سوچنے اور غور کرنے کا ایک جواز تو ضرور فراہم کیا۔

عظیم الشان صدیقی کی تحریروں کو اس کا قاری داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کی تحریریں ایک واضح فکر کے ساتھ ساتھ مربوط و منظّم ہوتی ہیں۔ ان میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں ہوتا۔ اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ان کی تحریریں غور و فکر کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

◆◆◆


# آثارالصنادید

اردو اکادمی، دہلی نے سرسید احمد خاں کی لافانی تصنیف ''آثارالصنادید'' کا اصل متن نامور محقق ڈاکٹر تنویر احمد علوی کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

سرسید احمد خاں کی لافانی تصنیف ''آثارالصنادید'' تاریخ سے سرسید کے علمی، تحقیقی و ثقافتی دلچسپی کا نقشِ آغاز ہے۔ اس میں انھوں نے دلّی کے آثارِ قدیمہ اور تاریخی عمارات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اپنے مقدمہ میں سرسید احمد خاں کے حالاتِ زندگی کے ساتھ ان عوامل کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے سرسیّد کو یہ کتاب تیار کرنے پر آمادہ کیا نیز فنِ تعمیر پر بھی تحقیقی انداز میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔

دہلی کے آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں نیز تاریخ و تحقیق کے طالب علموں کے لیے اردو اکادمی، دہلی کا ایک نایاب تحفہ۔

صفحات: ۷۲۸، (دوسرا ایڈیشن) قیمت: ۲۴۰/روپے

**ناشر: اردو اکادمی، دہلی**